

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی پر ایک نظر

نثار احمد ☆

دنیا کے اچھے اور بڑے آدمی کی دو ہی باتیں قابلِ ذکر ہوتی ہیں اور اس کی ناموری کا باعث بنتی ہیں۔ ایک شخصیت کا نور اور سراپا کی جاذبیت اور دوسرے اس کی زندگی کی کارآمد مصروفیت اور نفع رسانی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء-۲۰۰۲ء) دونوں اعتبار سے اچھے اور بڑے آدمی تھے۔ ان کی بلند پایہ شخصیت ہر لحاظ سے قابلِ احترام اور سادگی و خاکساری کا مرتع تھی جبکہ ان کا علمی و تحقیقی کام ہر اعتبار سے انتہائی وقیع اور تعداد و جہات میں ناقابلِ شمار کہ جس کی نفع رسانی شرق و غرب میں ہر جگہ پہنچی۔ مزید برآں ان کی شخصیت اور کام دونوں کی رعنائیاں پوری بیسویں صدی پر پھیلی ہوئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان کی سادہ و دلفریب شخصیت بھی اگرچہ ایسی ہے جس کا بیان قابلِ افتخار ہے۔ لیکن یہاں ہم اُن کے کام کی وسعتوں میں سے صرف ایک گوشہ پر بلکہ محض ایک مجموعہ نگارشات پر نگاہ ڈالیں گے جس کا عنوان ہے عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی سیرتِ سید المرسلؐ کے حوالہ سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی وہ پہلی کتاب ہے جس کے مندرجات کی تشکیل ان کے ۲۸/۲۷ سالہ عہدِ طالب علمی^(۱) کے اختتام (۱۹۳۵ء) پر شروع ہوئی اور چند سال کے تکمیلی مراحل کے بعد^(۲) جب یہ (۱۹۴۳ء) میں مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی سے شائع ہو کر) منصہ شہود پر آئی تو یہ اُن کے باوقار تعارف کا سبب بنی اور جو جہانِ سیرت نگاری میں یہ اُن کی شاندار آمد کا اعلان تھی۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کتاب سے پہلے تصنیف و تالیف کا کوئی تجربہ انہیں حاصل نہ تھا یا تحریر و تحقیق کے میدان میں اجنبی تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے دورِ طالب علمی میں ہی صاحبِ تصنیف بن چکے تھے اور متعدد کتب و مقالات زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ان کی بہترین صلاحیتوں اور علم و تحقیق کے اعلیٰ رجحانات کا ثبوت پیش کر چکے تھے^(۳)۔ اوپر کا حوالہ دراصل ان کے ایک میدانِ اختصاص یعنی سیرت کے باب میں مذکور ہوا۔

اس وقت ہمارے سامنے عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کا وہ ایڈیشن ہے جو مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن سے طبع دوم کی صورت میں نکلا۔ یہ ضخامت کے اعتبار سے کل ۳۲۰ (تین سو بیس) صفحات پر مشتمل ہے۔ مشمولات کتاب کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) رسول اکرم کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے (ص ۵-۱۲)، نشریہ مجلس اشاعت سیرت، حیدرآباد دکن (۱۲ص)۔

(۲) شہری مملکتِ مکہ (ص ۱۳-۷۵) بشمول نقشہِ رحلتہ الشتاء والصیف (ص ۱۹)، نیز نقشہ شہرِ مکہ (ص ۲۳)، نقشہ مسجدِ حرمِ کعبہ (ص ۳۵)، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، جنوری-فروری ۱۹۳۲ء۔

(۳) دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (ص ۷۶-۱۱۱) مع اصل متن دستور (ص ۱۰۰-۱۱۱) مطبوعہ مجلہ طیلسیانین (حیدرآباد دکن)، جولائی ۱۹۳۹ء۔

(۴) قرآنی تصورِ مملکت (ص ۱۱۲-۱۵۱)، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، دسمبر ۱۹۳۱ء۔

(۵) اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں (ص ۱۵۲-۱۹۸)، مطبوعہ مجلہ تحقیقات علمیہ (جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن)، ۱۹۳۶ء۔

(۶) عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم (ص ۱۹۹-۲۲۸)، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، نومبر ۱۹۳۱ء۔

(۷) جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام پر (ص ۲۲۹-۲۵۳)، مجموعہ مقالاتِ علمیہ، حیدرآباد دکن، اکادمی، ۱۹۳۳ء۔

(۸) عہدِ نبوی کے سیاست کاری کے اصول (ص ۲۵۴-۲۷۴)، مطبوعہ رسالہ سیاست (حیدرآباد دکن)، جنوری ۱۹۴۰ء۔

(۹) تالیفِ قلبی (ص ۲۷۵-۲۸۲)، مطبوعہ رسالہ نظامیہ (حیدرآباد دکن)، ربیع الاول ۱۳۵۷ھ۔

(۱۰) ہجرت (ص ۲۸۳ تا ص ۳۰۲)، مطبوعہ رسالہ سیاست (حیدرآباد دکن)، جولائی ۱۹۴۰ء۔

(۱۱) آنحضرتؐ اور جوانی (ص ۳۰۳-۳۲۰)، نشریہ انجمن مسلم نوجوانانِ سکندرہ آباد، حیدرآباد دکن۔

مندرجہ بالا فہرست کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ کتاب کا مواد نیا نہیں ہے بلکہ پہلے سے شائع شدہ کتب اور متفرق مطبوعہ مقالات پر مشتمل ہے جنہیں از سر نو ایک کتاب کے قالب میں جمع کر کے ایک معرکتہ الآراء پیش کش بنا دیا گیا ہے۔ جو مجموعی طور پر طبع زاد تحقیق کا نمونہ، نئی معلومات اور چشم کشا حقائق سے آراستہ، عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی، معاشی،

معاشرتی اور ثقافتی رجحانات کا عالمانہ تاریخی تجزیہ سامنے لاتی ہے۔ کتاب میں شامل تمام مضامین ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۳ء تک، سات (۷) سالوں میں منظرِ عام پر آئے۔

زیرِ نظر کتاب (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی) کی ہیئتِ ترکیبی بجائے خود یہ ظاہر کر رہی ہے کہ یہ کوئی مسلسل و مربوط تالیف نہیں ہے بلکہ الگ الگ عنوانات پر لکھے جانے والے مقالات (کتب) کا مجموعہ ہے۔ پھر کل گیارہ (۱۱) مضامین میں سے چھ (۶) مضامین کا مواد غالب طور پر حکومت و سیاست یعنی سیاسیات کے تعلق سے ہے جبکہ پہلا مضمون تمہیدی باتوں پر مشتمل اور مطالعہ سیرت کی ضرورت بیان کرتا ہے۔ ایک مقالہ آنحضرتؐ کی جوانی پر لکھا گیا ہے اور ایک اسلامی عدل گستری پر، ایک نظامِ تعلیم اور ایک معاشی نظام کے عنوان سے شامل ہے۔ ان مضامین میں کوئی زمانی و مکانی ترتیب بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ بنیادی طور پر تمام مضامین سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نہ کسی پہلو سے مربوط و متعلق ہیں۔ مقالات کا غائر مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ان میں سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بڑی بے شمار جزئیات و تفصیلات پائی جاتی ہیں جو اپنے مضامین اور دلائل کے تقاضوں کے تحت متفرق مقامات پر بکھری ہوئی ہیں لیکن مجموعی طور پر حیاتِ طیبہ کے واقعات و حالات قبل از بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی، آپ کی مدنی زندگی اور مختلف حیثیتوں میں آپ کے لازوال کارناموں کو اجاگر کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان مضامین میں سنجیدہ ادق نکات اور محققانہ مباحث کے علاوہ حیاتِ طیبہ کے ایسے سادہ واقعات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، جو قاری کے سامنے اسوۂ نبوی کو پیش کرتے ہیں اور آمادہ بہ عمل کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب بیانِ سیرت کے عام روایتی اسلوب سے تو ہٹی ہوئی ہے لیکن مجموعی طور پر اس میں سیرتِ نبویؐ کا ہر جزو شامل و داخل ہے۔

اس کتاب میں شامل مقالات کی معرکہ الآراء علمی و تحقیقی اور تاریخی افادیت و اہمیت کو اس زمانہ میں (جنگِ عظیمِ اول و دوم کے دوران) مسلمانوں کے مخصوص سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے پیش نظر زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے جس زمانہ (۱۹۳۶ء-۱۹۴۳ء) میں ان مقالات کی نشر و اشاعت ہوئی۔ اہل علم اس سے واقف ہیں کہ مولانا شبلی (م: ۱۹۱۴ء) اور مرکز شبلیات (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) نے سیرت نگاری میں نئے رجحانات کو جنم دیا تھا، جس کے نتیجے میں فرسودہ روایات، قصے کہانیوں اور محض بیانیہ انداز کے بجائے عقل و فہم اور علم و تحقیق کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ اس وقت تک سرسید (م: ۱۸۹۸ء) کی کتاب الخطبات الأحمدیہ (اپنے مباحث کے اعتبار سے

ناکمل)، مولانا شبلی کی سیرۃ النبیؐ (جو ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندویؒ (م: ۱۹۵۳ء) کے ہاتھوں تکمیل و طباعت کے مراحل سے گزری) اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پورٹیؒ (م: ۱۹۳۰ء) کی رحمۃ للعالمین شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کر چکی تھیں۔ پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۷-۱۹۶۱ء) کی کتاب سیرت رسول اللہؐ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں نکلا اور مقبول ہوا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سیرت نگاری کے اس نئے علمی و عقلی اور تحقیقی رجحان کو نہ صرف یہ کہ تقویت دی بلکہ نئی جہات، نئے مطالعات سے آراستہ کر کے گویا اسے نیا اسلوب بخشا اور خود ہی اسے معراج کمال تک پہنچایا۔ اس پر مستزاد یہ کمال بھی دکھایا کہ قرآن، حدیث، فقہ اسلامی، قانون مین الاقوام اور علوم اسلامی کے دوسرے شعبوں میں بھی بیک وقت تفکر و تحقیق نو کے ایسے سنگ میل قائم کر گئے کہ اپنے تو اپنے اعداء و اغیار بھی وا مرحبا پکار اٹھے اور ان کی علمی دیانت، تحقیقی برتری، وسعت معلومات، کے قائل اور ان کے نتائج فکر سے متفق ہو گئے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں علمائے مغرب اور مستشرقین کے آگے ہم سختی و ہمسری کے مرتبہ پر ان کے سوا کوئی دوسرا مسلمان عالم و محقق فائز نہ ہو سکا۔

بہر حال سیرت کے باب میں ان کی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی ان کے مجتہدانہ کمالات کا نقشِ اوّل ہے۔ اس اجتہاد و کمال کی مطلوب صلاحیت و اہلیت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ سیدھے سچے مسلمان، اللہ کے نیک بندے، بے نفس و بے غرض، اسلام کے شیدائی، اجرِ آخرت کے طلب گار اور ایک دینی و علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد (خلیل اللہ) سے حاصل کی، مدرسہ دارالعلوم سے مولوی کامل کی سند لی، پھر جامعہ نظامیہ سے درسِ نظامی کی سند کے بعد مولوی فاضل ہوئے۔ ایف اے، بی اے، ایم اے دینیات، ایل ایل بی، سب ڈگریاں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے لے کر بیرون ملک سفر کیا اور ڈی فل، کی ڈگری بون۔ جرمنی اور ڈی لٹ کی سوربون۔ فرانس سے حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں وطن واپس آ کر تحقیق و تدریس میں منہمک ہو کر دس سال گزار دیئے۔ اسی دوران وہ مقالات بھی سپرد قلم کیے جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ اس تفصیل کا مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف علم و فضل کی ہر سند کے حامل، ظاہری و باطنی تمام خوبیوں سے مرصع، اکثر زبانوں کے ماہر، نادر و نایاب مآخذ و مخطوطات کی تلاش و جستجو کے شوقین، اظہار و بیان اور تحریر و تسوید کے جدید طور طریقوں اور تکنیک سے واقف، احقاقِ حق کے لیے مسلسل کوشاں، مثبت طرزِ استدلال اور خدمتِ علم و آگہی کے جذبہ سے سرشار

تھے۔ اس لیے اللہ نے اُن کے علم میں بھی برکت عطا فرمائی اور عمر میں بھی۔ چنانچہ کوئی ایک صدی ان کی شمعِ حیات فروزاں رہی اور تابندگی پھیلاتی رہی۔ نیز دنیا کی آٹھ نو مختلف زبانوں پر ان کی مہارت و دسترس اور مختلف النوع مآخذ تک ان کی رسائی، ایسی منفرد خصوصیات ہیں جن کے سبب یہ ممکن ہوا کہ وہ سیرت اور اس کے تعلقات میں ایک تجدیدی قسم کا کارنامہ انجام دے سکیں اور تہجد سے بھی اپنا دامن بچا سکیں۔

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کو ایک مربوط تالیف کے بجائے مجموعہ مقالات کی حیثیت سے پیش کرنا اتفاقی امر نہ تھا بلکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسے دیدہ و دانستہ اسی صورت میں قابلِ ترجیح سمجھا۔ چنانچہ دیباچہ طبعِ اول میں وہ خود رقمطراز ہیں کہ: ”ایک تالیف کی جگہ ایک مجموعہ مقالات سے ناظرین کو سابقہ ہوگا اور جن نتائج تک میں تاحال پہنچا ہوں وہ تصحیح و اصلاح کے لیے اہل علم کی خدمت میں پیش ہیں“، (۳-ب)۔

یہ بیان ایک طرف تو ان کی طبعی خاکساری و فروتنی کا غماز ہے اور دوسری طرف وہ سیرت نگاری کے علمی و تحقیقی اسلوب میں ایک نئی جہت اور ایک نیا آہنگ پیدا کر رہے تھے جو ان کے مغربی دنیا کے علم و تجربہ کا عکاس تھا۔ چنانچہ اسی علم و تجربہ سے گزرے ہوئے ایک ہم عصر محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر خالد علوی اس طرزِ نگارش کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ: ”[ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصانیف عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی اور رسول اکرم کی سیاسی زندگی میں شامل] ہر مقالہ مستقل بالذات تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحقیق کا یہ اسلوب مغرب کا معروف اسلوب ہے، مغربی محققین کے ہاں تحقیقی مقالات کی حیثیت مصادرِ تحقیق کی رہی ہے۔ مقالات کے موضوعات اور ان کی تعداد ہمیشہ محققین کے مقام و مرتبہ کا پتہ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اسی اسلوب کو اپنایا اور مختلف اسلامی موضوعات پر قیمتی مقالات تحریر فرمائے جو اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں چھپے اور ترکی اور فارسی میں تراجم بھی ہوئے“، (۴)۔ اس نئے پن کو خود اُس زمانے میں بھی محسوس کیا گیا۔ چنانچہ معارف (اعظم گڑھ) کے نومبر ۱۹۳۱ء کے شمارہ میں عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم پر تبصرہ مدیرِ معارف (سید سلیمان ندوی) کے اس ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا کہ: ”جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو عالم بھی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانوں سے واقف بھی ہیں اور خاص طور پر عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف نظامات کے معلومات جن کا خاص فن ہے وہ انگریزی میں مسلسل ان عنوانات پر مجلہ اسلامک کالج (حیدر آباد دکن) میں مضامین لکھ رہے

مبالغہ نہیں (۶-ب)۔

کتاب میں شامل تمام مقالات کے عنوانات بادی النظر میں اگرچہ متفرق و منتشر معلوم ہوتے ہیں لیکن بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو سب میں گہری معنویت و مقصدیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ سب نفسِ مضمون سے مربوط و متعلق ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی و انتظامی کارہائے نمایاں کا حصہ۔ مثلاً یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریاست اور نظامِ حکمرانی عرب جیسی سرزمین پر قائم فرما کر جو محیر العقول کارنامہ انجام دیا، جہاں پہلے کبھی کوئی ملک گیر حکومت و سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی، (۷) تو اس کے دور میں استمدادِ ربّانی کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جلیلہ کس طرح بار آور ثابت ہوئیں (۸)۔ یہ حقیقت جاننے کے لیے دیکھنا ہوگا کہ زمینی حقائق کیا تھے؟ عرب کی جغرافیائی اہمیت، اس کے باشندے، اس کے مرکز و محور شہرِ مکہ (اسلام کا گہوارہ، آنحضرت کی جائے پیدائش، نافِ زمین)، شہرِ مکہ کی خصوصیات (ایسا شہر جس پر قبضہ کے لیے تین ہم عصر شہنشاہوں میں رقابت چلی)، مکہ کا سیاسی نظام، مذہبی نظام، نظامِ عدل، نظامِ سفارت، نظامِ فوج، سماجی نظام جاننا بھی ضروری ہے (۹) کیونکہ ”مشیتِ ایزدی یہ ہوئی تھی کہ اب سے پورے پونے چودہ سو سال پہلے پرانی دنیا کے جغرافیائی مرکز (اور اس طرح نافِ زمین) یعنی مکہ معظمہ میں انسان و خدا کے تعلقات میں ایک نئی مرکزیت پیدا کر کے اور عرب سے شروع ہو کر اسلام اقصائے عالم تک پہنچ جائے (۱۰)۔ اس لیے بھی کہ ”شہرِ مکہ کے باشندوں نے اپنی شہری مملکت کے لیے ایک ترقی کناں دستور اسلام سے خاصا عرصہ قبل بنالیا تھا“ (۱۱)۔ نیز یہ کہ جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام میں پورے عرب میں سال بھر لگنے والے میلوں بازاروں کی صورت میں پائے جانے والے وفاق نے پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام میں کسی حد تک حصہ لیا اور اتحادِ عرب کے لیے کس طرح فضا سازگار ہوئی (۱۲)۔ پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد جب مملکتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے لیے ایک دستور مقرر کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ آفریں کارنامہ تھا۔ ”جس نے قبائلیت کی افراتفری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور ایک وسیع تر ادارے یعنی مملکت کی بنیاد ڈالی“ (۱۳)۔

دستورِ مملکتِ مدینہ تحریری شکل میں ایک فرمان کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے چند ماہ بعد ہی جاری و نافذ فرمایا۔ اسے ڈاکٹر حمید اللہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”دستورِ مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہدِ نبوی سے پہلے نہیں مل سکی، کسی مقتدرِ اعلیٰ کی طرف

سے نافذ کردہ مستند دستور مملکت کی حیثیت سے، (۱۳-ب)۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ: ”زیر بحث دستاویز ایک معاہدے کی شکل نہیں رکھتی بلکہ ایک فرض اور ایک حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے۔“ یہ دستور یا دستاویز جسے ”اسی دستاویز میں“ کتاب اور صحیفے کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس کے معنی دستور العمل اور فرائض نامے کے ہیں۔ اصل میں یہ شہر مدینہ کو پہلی دفعہ ”شہری مملکت“ قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا، (۱۴)۔

مطالعات سیرت میں یہ ایک بڑی اہم پیش رفت تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے جس نوشتہ، دستاویز، کتاب، صحیفہ کو دستور مدینہ قرار دیا، اس وقت تک مصنفین اور سیرت نگار اسے ”یہود مدینہ سے معاہدہ“ لکھتے تھے بلکہ آج کے جدید دور میں بھی اسے مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے بالغ نظر عالم بھی ”حضور کی تحریر اور یہود سے امن و امان کا معاہدہ“ کا عنوان دیتے ہیں اور محض چار سطروں میں بیان ختم ہو جاتا ہے (۱۵)۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ پہلی مرتبہ جولائی ۱۹۳۹ء میں مجلہ طیلسانین (حیدرآباد دکن) میں شائع ہوا۔ اس وقت تک مولانا شبلی رحمہ اللہ بھی اسے سیرۃ النبیؐ میں ”مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ“ قرار دے چکے تھے (۱۶)۔ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری صاحب بھی اسے ”معاہدہ“ قرار دیتے ہیں مگر صرف یہود سے نہیں بلکہ مدینہ میں بسنے والی ”جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر“ (۱۷)۔ انہوں نے ”جنتہ جنتہ فقرات“ بھی ابن ہشام کے حوالہ سے مع ترجمہ نقل کیے ہیں (۱۸)۔ نیز گرد و نواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع اور اس کے فوائد بیان کیے ہیں (۱۹)۔ پروفیسر سید نواب علی نے اپنی کتاب سیرت رسول اللہ میں اس موضوع سے تعرض ہی نہیں کیا (۲۰)۔ البتہ اصح السیر کے مؤلف مولانا عبدالرؤف دانا پوری مواخات اور تنظیم کے زیر عنوان بغیر کسی بحث کے رقمطراز ہیں: ”اس کے بعد ایک بسیط تحریر آپؐ نے لکھوائی اس میں صراحتاً ظاہر کر دیا گیا کہ اب آئندہ آپس کے تعلقات کیسے ہوں گے، مسلم کا غیر مسلم سے، یہود کا غیر یہود سے، انصار کا مہاجرین سے، مہاجرین کا انصار سے، ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ سے برتاؤ کیسا ہوگا اور کس کس کے حقوق کیا ہوں گے۔ ابن اسحاق نے اس صحیفہ سے پوری عبارت نقل کی ہے اور یہ اس وقت کے انتظام کے متعلق ایک مکمل دستاویز ہے،“ (۲۱)۔

دستور مدینہ، معاملات مملکت چلانے کے لیے تھا لیکن مجموعی طور پر آپؐ نے سیاست کاری میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا اس کا مفصل بیان ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مقالہ (نمبر ۸) ”عہد نبوی کے سیاست کاری کے اصول“ میں دیا ہے (۲۲) اور لکھا ہے کہ ”سیاست نبوی کے چند اصول عام

اور ہمہ گیر تھے،“ (۲۳)۔ نیز یہ وضاحت بھی فرمادی کہ ”اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمتِ ماضیہ کا مطالعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول و فعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا قانون اور اپنے لیے اسوہ حسنہ سمجھتی ہے،“ (۲۴)۔ تالیفِ قلبی، ان کے نزدیک عہدِ نبوی کی سیاست خارجہ کا اہم اصول (اور سیاست کاری کا حصہ) ہے (۲۵)۔ اس سلسلہ میں حنبلی امام ابو یعلیٰ القراء کی الأحكام السلطانیة سے ”المولفة قلوبہم“ کی تفصیل (ص ۲۷۶-۲۷۷) اور سیرۃ النبی سے اس کے نظائر و امثال سے استدلال ڈاکٹر صاحب کے تاجر علمی کو ظاہر کرتا ہے (۲۶)۔ کتاب میں شامل مقالہ (نمبر ۱۰) ”ہجرت“ محدود وقتی مفہوم نہیں رکھتا بلکہ سیاستِ نبوی کا اہم شعبہ اور وسیع تر اطلاقات سامنے لاتا ہے (۲۷)۔ ان کے نزدیک جلاوطنی، توطن اور تبادلہٴ آبادی، جو قانون بین الاقوام اور بین الممالک سیاست میں روز افزوں اہمیت اختیار کرتے جا رہے تھے (ص ۲۸۳) مگر عہدِ نبوی کے حوالہ سے اس اہم تاریخی گوشہ پر اس وقت (۱۹۳۰ء) تک کوئی مطالعہ نہیں کیا گیا تھا (۲۸۳)۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی تحقیق و تفتیش سے موضوع کی نئی جہات کو متعارف کرایا (۲۸)۔ ان کے نزدیک ”ہجرت کے معنی صرف ہجرتِ مدینہ ہی کے نہ تھے بلکہ نومسلموں کا اسلامی علاقے میں آ کر اکٹھا ہونا اور مفتوحہ علاقوں میں مسلم نوآبادکاروں کا لے جا کر بسانا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے،“ (۲۹)۔ عہدِ نبوی میں ہجرتِ وطن کا تاریخی مفہوم ترک وطن تھا (ص ۲۸۷)۔ چنانچہ ہجرت ہائے حبشہ اور بیعت ہائے عقبہ کے حوالوں کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

لفظ ہجرت کے اس دوسرے مفہوم کے دو پہلو ہیں ایک تو وہی جو آج کل ”ملکی بننا“ (نیچرالی زیشن) کہلاتا ہے، یعنی جب ایک قومیت والا دوسری قومیت اختیار کرنا چاہے تو آخر الذکر ملک میں جا کر مقیم ہو جائے اور حقیقی الامکان اسی کا تمدن اور تخیل بھی اختیار کرے۔ چونکہ اسلام ایک خاص قسم کی اور مستقل قومیت ہے جو دیگر جغرافیائی، نسلی، لسانی اور رنگی قومیتوں سے جدا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اسلام اپنے گھر میں اپنے مخصوص اصولوں پر عمل چاہے گا۔..... اس مفہوم کا دوسرا پہلو وہ پالیسی ہے کہ مسلمان اسلامی علاقے میں ہیں اور مرکز سے پھڑے رہنے کے باعث نقصان نہ تو خود اٹھائیں اور نہ دیگر مسلمانوں کو پہنچائیں (۳۰)۔..... اس لیے مسلمانوں کا عہدِ نبوی میں یہ فریضہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کر کے اسلامی احکام پر چلیں بلکہ اسلامی علاقے میں بھی آ کر آباد ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اجتماعی قوت زیادہ ہوگی اور وہ اپنے حریفوں کا نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے۔ غرض اولاً استحکام پھر توسیع کا اصول کارفرما رہا (۳۱)۔

کتاب کا آخری مقالہ (نمبر ۱۱) ”آنحضرتؐ اور جوانی“ میں سیرت کے شخصی حالات کے

حوالے بھی اگرچہ موجود ہیں تاہم اس موضوع کو وہ سیاسی و اجتماعی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں (۳۲)۔ اس مقدمہ کے ساتھ کہ ”اسلام اور دنیا کی آقائی لازم و ملزوم ہے جو اصولِ اسلام پر عمل کرے گا وہ براہے گا اور جو اُن سے غفلت کرے گا مغلوب بلکہ نابود ہوگا“ (۳۲-ب)۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ:

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسلام حقیقت میں رسولِ عربی کی سیرت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اصولِ اسلام کیا ہیں تو اسے رسولِ عربی کی سوانحِ عمری، آپ کا عمل اور آپ کی تعلیم۔ انہیں تین چیزوں کو دیکھنا ہوگا اور یہ اس غرض کے لیے کافی ہیں (۳۲-ج)۔

اس کے بعد رقمطراز ہیں: ”قرآن مجید نے ایک اہم مظہرِ قدرت کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ آدمی کیا ہے؟ ”اولاً ایک ضعف و کمزوری اور بے بسی کا نام ہے پھر قوت (جوانی) آتی ہے اور قوت کے بعد پھر کمزوری یعنی بڑھاپا چھا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کچھ کرنے کا زمانہ ان دو ”کمزوریوں“ کا درمیانی مختصر وقفہ یعنی جوانی ہی ہے۔ یہی دن ہیں جب آدمی کو آخرت کا توشہ کمالینا چاہیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب بڑی شخصیتوں کے بڑے کارنامے انجام پائے۔ کسی بچے یا بوڑھے کھوسٹ نے آج تک نہ تو کوئی کارنامہ دکھایا اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔ اسی اصول کے تحت رسول کریم علیہ السلام کی سوانحِ عمری کا وہ باب جو آغاز تا انتہائے جوانی سے متعلق ہے یہاں زیر بحث آتا ہے“ (۳۲-د)۔

عدل و انصاف کو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اسے ہر زمانہ میں اور ہر معاشرہ اور مملکت میں ناگزیر حیثیت حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا مقالہ (نمبر ۵) ”اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں“ مفصل طور پر عہدِ نبوی اور ماقبل و مابعد ادوار میں عدل و انصاف اور اس کے متعلقات پر جامع بحث کا حال ہے (۳۳)۔ وہ تاریخی پس منظر پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”۶۱۰ء سے اسلام شروع ہوا، اس کے آغاز اور ترقی سے یہاں بحث نہیں البتہ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہجرت سے پہلے اور بعد، زندگی بھر اپنے پیروؤں کے لیے انتہائی اور اعلیٰ ترین عدالت کا کام دیتی رہی۔ لیکن ایک واقعی مملکت کی بنیاد ہجرت کے بعد ہی پڑی۔ ہجرت کر کے مدینہ آتے ہی آنحضرت نے فوراً اپنے عدالتی حقوق و فرائض کا تعین فرمادیا تھا“ (۳۳)۔ ایک جگہ اس اہم دستاویز (سب سے پہلی اسلامی مملکت کا دستور اور آئین) کے عدالتی فقرات (دفعات) کی تحلیل کے بعد لکھتے ہیں: ”اس عظیم الشان اور انقلابی اصلاح کی جانب خصوصی دوبارہ اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ انفرادی انتقام جوئی کی جگہ مرکزی عدل گستری کا ادارہ وجود میں آ گیا اور

یہ اختیار افراد ہی نہیں قبائل سے بھی چھین کر حکمران وقت کے سپرد کیا گیا جو تفتیش اور غیر جانب داری کا پابند تھا۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ کم از کم اہل کتاب غیر مسلموں کے مقدموں میں آنحضرت صلعم ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے، ”(۳۳-ب)۔ آگے رقمطراز ہیں: ”آنحضرتؐ کا یہ طرز عمل بعد میں مستقل قانون بن گیا کہ غیر مسلم رعایا اور مستانوں سے ان کا شخصی قانون ہی متعلق ہو اور اس غرض کے لیے خصوصی عدالتیں بنائی جائیں۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ میں اس چیز نے خاصی ترقی کر لی تھی،“ (۳۳-ج)۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیغمبرانہ اور داعیانہ حیثیت اور اساسی نوعیت میں ”معلم“ ہی تھے اور اس حیثیت و حقیقت میں جو وسعت معلومات کتاب کے مقالہ (نمبر ۶) ”عہد نبوی کا نظامِ تعلیم“ میں پائی جاتی ہیں (۳۵) وہ نہ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر انقلاب کی بنیاد ”علم“ اور ”تعلیم“ پر ہی تھی، اور دنیائے جہالت کے خاص پس منظر میں پیدا ہونے والی تمام روشنی، تمام تبدیلیاں دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”تعلیمی سیاست“ کا ہی نتیجہ تھیں۔ آپ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق ”علم“ کی روشنی سے ہی مستنیر ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں شائع ہونے والا یہ مقالہ گویا پوری کتاب میں مرکزی اور محبلی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب (مجموعہ مقالات) کی چند اور خوبیاں بھی صاف دیکھی جاسکتی ہیں مثلاً:

(۱) زیر نظر کتاب کا کوئی مضمون / مقالہ عنوان سرسری نوعیت کا نہیں بلکہ جامع اور محققانہ ہے۔ موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا، اور تمام جزئیات و کلیات بیان کرنے کے ساتھ ہی اہم نکات کی نشاندہی اور مختلف نتائج کا استخراج و استنباط تمام مقالات کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ یہ خصوصیت ان کے انتہائی طولانی مضمون (”شہری مملکتِ مکہ“، جو ۶۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور انتہائی مختصر تحریر ”تالیفِ قلبی“ کا عنوان جو محض سات (۷) صفحات پر مشتمل ہے، ہر جگہ یکساں نمایاں ہے۔

(۲) مآخذ و مصادر پر نظر اور ان کا بر محل استعمال ڈاکٹر صاحب کے مقالات کی ایک اور خصوصیت ہے۔ موضوع زیر بحث سے انصاف اسی وقت ممکن ہے جبکہ متعلقہ موضوع کے ابتدائی، ثانوی اور جدید بلکہ جدید ترین مآخذ و مصادر سامنے رکھے جائیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے یہاں مآخذ و مصادر کا بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ وہ متقدمین علماء و محققین کی طرح تمام ابتدائی ضروری اسلامی مآخذ، قرآن، حدیث، فقہ، کلام، ادبِ جاہلیہ سے بھی بھرپور استفادہ کرتے ہیں، اور عربی، فارسی، اردو انگریزی اور دوسری علمی زبانوں (جرمنی، فرانسیسی، اطالوی، ترکی، وغیرہ) میں پائے جانے والے مآخذ

و مصادِر، مخطوطات، دائرۃ المعارف وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ مطالعہ کی وسعت، متعدد زبانوں کی مہارت، جدید تحقیقی تکنیک پر عبور اور پتہ ماری کے ساتھ محنت اور تلاش و جستجو انہیں نئی باتوں کی دریافت اور نئی منزلوں تک پہنچاتی ہے۔ موضوع سے متعلق مآخذ و مصادِر کی بکثرت دستیابی مختلف سطحوں پر موازنہ بہم پہنچاتی ہے اور نتائج تحقیق کو زیادہ معتبر بنا دیتی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر خالد علوی کی یہ بات درست ہے کہ: ”ڈاکٹر حمید اللہ کے اسلوب تحقیق میں ایک خاص بات مصادِر کا احاطہ ہے“، (۳۶)۔

(۳) اس کتاب (عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی) کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخی بیانات میں عمومی رواج کے برخلاف جا بجا نقشوں سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں تاریخ نویسی میں عام طور پر جغرافیہ سے کام نہیں لیا جاتا تھا، مؤرخین مصنفین تفصیلات بیان کرنے میں تو فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے اور روایت نقل کرنے میں بھی بخل سے کام نہ لیتے، لیکن واقعات کا محل وقوع اور جغرافیائی تعین نہ کر پاتے تھے، جس سے پڑھنے والے بھی فہم و ادراک سے محروم رہتے اور خود مؤرخ یا مصنف بھی غلطیاں کر جاتے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے تاریخ کو سمجھنے کے لیے جغرافیہ سے مدد لے کر گویا ایک نئے طرز نگارش کی ابتدا کی۔ چنانچہ سیرت نگاری میں بطور خاص نقشوں خاکوں کے پیش کرنے سے مقامات کی نشاندہی اور درست محل وقوع کے تعین سے حقائق کی معرفت دو چند ہو گئی اور بہت سی تاریخی غلطیوں کی اصلاح بھی ممکن ہو سکی۔ اس سلسلہ میں یہ کتاب اور اس میں شامل مقالات کی اشاعت سے بھی پہلے ۱۹۳۳ء میں سرزمین عرب کے مختلف تاریخی مقامات کا مشاہداتی سفر، زیارتِ حرمین اور عہدِ نبوی کے میدان ہائے جنگ کا ڈاکٹر صاحب کا اپنا پچشم خود مشاہدہ قابل ذکر ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کی کتاب عہدِ نبوی کے میدان جنگ نے شہرت حاصل کی (۳۷) اور دوسرے مقالات و کتب کی تالیف و تدوین میں بھی ان اسفارِ علمی نے چار چاند لگا دیئے۔ اس قسم کے اسفارِ علمی کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہا (۳۸)۔ بہر حال عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی میں متعدد معرکۃ الآراء نقشے شامل ہیں۔ مثلاً قریش کے رحلۃ الشتاء والصیف یا کاروانی راستے کا نقشہ (ص ۱۹)، نقشہ شہرِ مکہ (ص ۲۳)، نقشہ مسجدِ حرمِ کعبہ (ص ۳۵)، عربوں کے میلوں کی ترتیب زمانی و مکانی (ص ۲۴۲)، نقشہ دنیا (ص ۲۵۶)، نقشہ عرب (ص ۲۵۷) وغیرہ (۳۹)۔

(۴) زبان و بیان کی بے تکلفی، اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت ہے۔ انتہائی سنجیدہ موضوعات اور انتہائی اعلیٰ تحقیقات کے باوجود زبان مشکل اور انداز بیان گنگلک نہیں۔ مثلاً شہری

مملکتِ مکہ کے مذہبی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے سقایہ کے بارے میں لکھا ہے:

سقایہ سے مراد کعبہ کی زیارت کے لیے حج یا عمرے کے زمانے میں آنے والوں کو پانی پلانا اور عمارۃ الہیت سے مراد حرمِ کعبہ کا عام انتظام کرنا تھا، ان دونوں چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے (التوبة، ۱۹:۹)۔ حجاج کو پانی پلانا مکے میں بھی ایک منفعت بخش فریضہ ہوگا، کیوں کہ وہاں پانی کی عام قلت ہے اور زمزم کے کنوئیں کا مقدس پانی ہر حاجی کو بھی درکار رہتا ہوگا۔ پالمیرا میں ایک مماثل فریضہ کی انجام دہی سے سالانہ آٹھ سو طلائی اشرفیوں کی معقول آمدنی ہو جایا کرتی تھی (پالمیرا کے کتبوں پر شابو کی فرانسیسی کتاب، ص ۳۰ بحوالہ مکہ مؤلفہ لائسنس)۔ غالباً مکے کے باشندے خود اس سلسلہ میں کوئی فیس ادا کرنے سے مستثنیٰ رہتے ہوں گے (۴۰)۔

دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور، ڈاکٹر صاحب کا ایک اور محققانہ مقالہ (نمبر ۳) ہے۔

اسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاسی کارنامہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس طرح ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بو قلموں و کثیر الاجناس آبادی کو ایک چکدار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا کہ وہ بعد میں ایشیا یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہت کا بلا کسی وقت کے صدر مقام بھی بن گیا (۴۱)۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اس ریاست و مملکت کی بنیاد دراصل کسی جور و جبر، زبردستی، دھونس دھاندلی یا طاقت کے استعمال پر نہیں تھی۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کی یہ صراحت بہت اہم ہے کہ:

ہابس، روسو وغیرہ ”معاہدہ عمرانی“ کے نظریے کے تحت مملکت کا آغاز حاکم و محکوم کے عمرانی معاہدے سے قرار دیتے ہیں۔ اس کی ایک بین اور واقعی مثال ہم کو بیعت عقبہ میں ملتی ہے جس میں مدینہ والوں نے آنحضرت صلعم کو اپنا سردار مانا، اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور آپ کے احکام کی تعمیل کا اقرار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ زیر بحث دستاویز ایک معاہدے کی شکل نہیں رکھتی بلکہ ایک فرض اور ایک حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے۔ چنانچہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتاب کے معنی فرض اور حکم کے بھی ہیں: ان الصلاة کسانت علی المومنین کتاباً موقوتاً: ان کتاب الابرار لفی علیین؛ کتب علیہم القتال، وغیرہ میں لفظ ”کتاب“ اسی معنی میں برتا گیا ہے۔ جرمن لفظ Vorschrift اور فرانسیسی و انگریزی لفظ Prescription ہسپانوی Prescripcion (معنی فرض و حکم) کا مادہ بھی ”کتاب“ ہی کے معنی رکھتا ہے، (۴۲)۔

(۵) عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی بطور ایک کتاب موضوعات سیرت پر ڈاکٹر

حمید اللہ صاحب کے آئندہ کے بہت بڑے کام (یا منصوبہ) کا مقدمہ (یا جسے وہ جلد اول بھی قرار دیتے ہیں) یا نقش اول تھا جبکہ وہ پہلی مرتبہ مکتبہ جامعہ (دہلی) سے شائع شدہ مقالات کے مجموعہ یا ایک واحد کل کی حیثیت سے شائع ہوئی^(۳۳)۔ چنانچہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ: ”اس جلد میں چند مضامین آئے ہیں آئندہ جلد یا جلدوں میں خدا نے چاہا تو کچھ اور پہلو ہوں گے“^(۳۴)۔ مکتبہ جامعہ کے بعد جب یہ کتاب مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن سے دوبارہ چھپی (اس وقت یہی ایڈیشن ہمارے سامنے ہے) تو پیش لفظ میں^(۳۵) اس صراحت کے بعد کہ کتاب آسان بھی نہیں ہے اس میں کم از کم پانچ سات زبانوں کے حوالے یا اقتباس ہیں ان وجوہ سے طباعتی غلطیاں معمول سے زیادہ ہو گئی ہیں جن کے لیے ناظرین سے بڑے ادب کے ساتھ معافی چاہی جاتی ہے پھر (غلط نامہ بھی شامل کتاب کیا ہے) [یہ لکھا کہ: ”یہ پہلی جلد ہے دوسری جلد میں عہد نبوی کے نظام ہائے مالیہ، فوج و اہل ذمہ اور بعض دیگر متفرقات مثلاً بین الاقوامی عصیوں کو کم کرنے کی تدبیریں وغیرہ شامل ہوں گی۔ اس کا کچھ حصہ متفرق طور پر علمی رسالوں میں شائع بھی ہو چکا ہے“۔ پھر لکھتے ہیں: ”ان کی ایک رفیق جلد“ رسول اکرم کسی سیاسی زندگی ہے“..... نیز لکھا: ”البتہ جغرافیہ سیرت ابھی ذہن ہی میں ہے..... شاید خدمت سیرت نبویہ کی آئندہ کوئی اور چیز بھی ذہن میں آئے“^(۳۶)۔

چنانچہ بعد میں اپنی خواہش، نیت اور منصوبہ کے مطابق وہ سیرت کے مختلف النوع موضوعات و متعلقات پر زندگی بھر لکھتے رہے۔ اور اتنا کچھ کام کر گئے کہ بعض ادارے بھی ان کی برابری نہیں کر سکتے۔ سیرت میں بھی علوم اسلامی کے دوسرے شعبوں کی طرح ان کا کام درجہ اختصاص رکھتا ہے^(۳۷)۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق تین میدان خاص ہیں: ایک اسلام کے قانون بین الاقوام کی تدوین نو، دوسرے تاریخ علم حدیث میں کئی جہتوں کی دریافت اور سیرت رسول کی تدوین نو۔ پھر سیرت پر ایسے ایسے گوشے محققین کے سامنے رکھے جن پر متقدمین نے کلام نہیں کیا تھا^(۳۸)۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تصنیف و تالیف کا جو سلسلہ عہد نبوی میں نظام حکمرانی سے شروع ہوا تھا وہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں برابر آگے بڑھتا رہا، اور نہ صرف اردو، عربی، انگریزی بلکہ دنیائے مغرب کی دوسری زبانوں میں بھی وہ آخر تک برابر لکھتے رہے۔ ۱۹۵۹ء میں سب سے زیادہ مفصل کتاب انہوں نے فرانسیسی میں تحریر فرمائی، جو ان کی پچھلی تمام تحقیقات کی جامع اور بیغیر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور کارناموں پر مشتمل ہے^(۳۹)۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ کتاب کی پہلی جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی، مقاصد بعثت اور سیاسی

و مذہبی معاملات پر مشتمل ہے (۵۰)۔ پہلی جلد اسلوب اور مواد کے اعتبار سے بنیادی طور پر تاریخی نوعیت کی ہے جبکہ دوسری جلد میں پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور پیغام سے متعلق دقیق مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ مزید برآں عہد نبوت کے معاشی اور سماجی معاملات کو بھی شرح و بسط کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے (۵۱)۔ یہ کتاب ان کی سیرت سے متعلق معلومات اور تحقیقی نتائج کی بہترین مظہر ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی اور اس کی رفیق جلد یعنی رسول اکرمؐ کسی سیاسی زندگی بطور خاص سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین درجہ کی ایسی عالمانہ و محققانہ کاوشیں ہیں جو دراصل مولانا شبلی علیہ الرحمۃ کے تصنیفی منصوبہ کے اُس حصہ کی تکمیل کا باعث ہیں جو سیرۃ النبیؐ کی تصنیف کا ”پانچواں حصہ“ تھا اور جس کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایہ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائل اسلام کے سمجھنے میں اُن سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیوں کی ہیں اُن کے جوابات (۵۲)۔

یہ پانچواں حصہ بجائے خود بہت اہم، ضروری، محنت طلب اور مغربی علوم و معارف پر کامل دستگاہ اور مستشرقین کے علم و تحقیق کی حقیقت جاننے کے ساتھ ساتھ اُن کے مدلل و مسکت جواب کا انتظام چاہتا تھا۔ لیکن افسوس کہ سیرۃ النبیؐ کے منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی مولانا شبلی رحمہ اللہ وفات پا گئے جبکہ سیرۃ النبیؐ کا کوئی حصہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا تھا اور ہنوز مسودہ کی شکل میں تھا۔ پھر جب مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مولانا شبلی کی وصیت کے مطابق سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کا زندہ جاوید کارنامہ انجام دیا اور پوری دنیائے علم و ادب میں دھوم مچادی تب بھی متذکرہ بالا پانچواں حصہ نہ لکھا جاسکا۔

معارف (اعظم گڑھ) اور دارالمصنفین کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرت کی آخری جلد جو مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھنے کا پروگرام تھا، اس کے بارے میں سید صاحب اور رفقاء کی نظریں جس شخصیت پر مرکوز تھیں وہ ڈاکٹر حمید اللہ ہی تھے۔ چنانچہ دارالمصنفین کے ایک دیرینہ رفیق جناب ابوعلی عبدالباری رقم طراز ہیں: ”سیرت کی آخری جلد جو یورپ کے مستشرقین کی غلط

بیانیوں کی اصلاح کے لیے مخصوص تھی اس کے لیے ہماری (دارالمصنفین کی) نظر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) پر پڑتی تھی۔ وہ یورپ کی قریب قریب تمام زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں میں وہ برابر لکھتے رہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی بھی اکثر زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں کو بھی اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ سیرت، حدیث اور قبل از اسلام کی تاریخ ان کا خاص موضوع ہے،^(۵۳)۔ پھر بعد کے ایک دو اور واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے سیرت النبیؐ کی آخری جلد کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے فرمائش کی تھی۔ سید صاحب نے کسی خط میں یا ملاقات میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک خاکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو بھیجا تھا یا بتایا تھا^(۵۴)۔

مگر افسوس کہ سید صاحب کی فرمائش اور تجویز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی خاکساری اور تکلف کے سبب رو بہ عمل نہ آسکی اور سیرۃ النبیؐ کا موعودہ پانچواں حصہ ایک شاہکار تصنیف کی شکل میں دارالمصنفین کی طرف سے شائع نہ ہو سکا۔ کہ یہ قضا و قدر کے فیصلے تھے مگر ہاں اس کی تلافی کی شکل یہ پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اپنی تصانیف، مقالات اور تحقیق و دریافت کے ذریعہ مولانا شبلی کے خواب کی تعبیر کو اپنی انتھک کاوشوں سے عملی جامہ پہناتے رہے۔ یورپین تصنیفات کی تعقیب، مغربی علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ، اعتراضات کے جواب، مستشرقین کے حملوں کے دفاع اور اسلام کی برتری و حقانیت کے اثبات اور چہرہ سیرت کو پھر سے تابناک بنانے کے لیے وہ تنہا ڈٹ گئے اور مختلف محاذوں پر مختلف زبانوں میں اتنا کچھ تعمیر کام کر گئے جو انہیں شہرت و بقائے دوام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر حمید اللہ کی متذکرہ بالا مثبت علمی تحقیقی خدمات کی جگہ بہ جگہ بھلکیاں نہ صرف ان کی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی میں دکھائی دیں گی بلکہ اس کی رفیق جلد رسول اکرمؐ کسی سیاسی زندگی میں بھی نظر آئیں گی اور دوسری نگارشات بھی اس پہلو سے قابل ذکر مواد کی حامل ہیں۔ مثلاً زیر نظر کتاب میں شامل مقالہ ”شہری مملکت مکہ“ ڈاکٹر صاحب موصوف نے دسمبر ۱۹۳۷ء میں مغربی کیمپ میں بیٹھ کر بڑیونڈرم اور نیٹل کانفرنس میں پیش کیا^(۵۵)۔ اور مقالہ کا منشا یہ بتایا کہ: ”علمی دنیا کو ایک ایسی زرخیز زمین کی تحقیق کے لیے متوجہ کیا جائے جسے اب تک بالکل ہی نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اسلام نے جس حیرت انگیز تیزی سے توسیع

حاصل کی اور اُس کے آغاز ہی میں شہری مملکتِ مکہ کے ”غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ“ باشندوں سے جتنے غیر معمولی طور سے قابلِ مدد پیدا ہوئے، وہ ایسے حقائق ہیں جن کے کچھ نہ کچھ پس منظر کا ہونا ناگزیر ہے“ (۵۶)۔ انہوں نے اپنا طویل ترین مقالہ پوری جرأت سے اجنبی سامعین اور بے رحم ناقدین کے سامنے رکھا اور آخر کار داد حاصل کی۔ ان کا ایک اور ناقابلِ فراموش مقالہ ”دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور“ (ص ۷۶-۱۱۱) کی بحث اسلامی و غیر اسلامی مآخذ سے مزین اور اصل متن سے مُرُصَّح ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اسلوبِ بیان اور طرزِ استدلال بڑا مؤثر اور دلآویز ہے۔ وہ مناظرانہ رنگ کبھی اختیار نہیں کرتے نہ تند و تیز جملوں اور کج بجشی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنا موقف دلائل اور وقار کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔ مغربی علماء اور مستشرقین کے اعتراضات کا جواب اور تسامحات پر گرفت اسی ٹھنڈے انداز سے کرتے ہیں۔ مثلاً ”عہدِ نبویٰ میں نظامِ تعلیم“ کے تحت لکھتے ہیں: ”اور جب وحدت اور حرکت کے مذہب یعنی اسلام نے ان کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور اس طرح ان میں مزید قوت پیدا کر دی تو یہی عرب اس قابل ہو گئے کہ پوری دنیا کو مبارزت دیں اور وقت واحد میں اس وقت کی دونوں عالمگیر شہنشاہتوں یعنی ایران اور روم (بیزنطیہ) سے جنگ کریں“ (۵۷)۔ پھر لکھتے ہیں: ”میں نے اپنے بعض مقالوں میں کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیاں عربوں کے کردار کو بنانے اور ان میں حیرت انگیز قوت برداشت اور دیگر اعلیٰ مہمات پسند قابلیتیں پیدا کرنے میں مُمد و معاون رہیں، جن پر خود نیپولین کو رشک تھا“ (۵۸)۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی) اپنی ضخامت اور قد و قامت میں کتنی ہی چھوٹی اور مختصر کیوں نہ ہو، اپنی قدر و قیمت، علمی و تحقیقی اہمیت اور مواد کی عظمت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ یہ کتاب محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے، بسلسلہ سیرتِ عظیم الشان کام کی بہترین نمائندہ اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات کا بہت خوب سمونہ ہے۔ اس کتاب نے، اس کی رفیق جلد (رسول اکرمؐ کسی سیاسی زندگی) اور ان کے دیگر کتب و مقالات نے برصغیر کے علمی حلقوں پر بہت اثر ڈالا۔ اُن کی سادہ و دلنشین تحریروں نے سیرتِ نبویٰ میں واقعاتی اور سوانحی اندازِ بیان کے بجائے علمی و تحقیقی مطالعات کا رجحان پیدا کیا۔ مغربی علماء و مستشرقین اور ناقدین

کے پیدا کردہ شبہات و اعتراضات بلکہ ہفوات و خرافات کو انہوں نے علم و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر، انہیں کے معیار پر تاریخی دلائل اور مثبت فکر کے ساتھ بے اثر کر کے رکھ دیا اور بحیثیت مجموعی اسلام کی آفاقیت اور پیغمبر اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ یہ اُن کی ایسی زبردست خدمات ہیں جن کے سبب انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تعلیقات و حواشی

(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب یوں تو زندگی بھر اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتے رہے، لیکن عام معروف معنوں میں ان کا دور طالب علمی ۲۸/۲۷ سالوں پر محیط ہے۔ ان کی ولادت ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو ہوئی اور وفات ۱۳ شوال ۱۳۲۳ء مطابق ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو ہوئی۔ سوانحی تفصیلات کے لحاظ سے انہوں نے میٹرک (مدرسہ دارالعلوم-حیدرآباد دکن) سے ۱۹۲۳ء میں، مولوی فاضل کی سند ۱۹۲۴ء میں پھر ایف۔ اے، بی۔ اے جامعہ عثمانیہ سے کیا اور پھر وہیں سے ۱۹۳۰ء میں ایم۔ اے دینیات کی سند لی اور اسی سال ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری (۱۹۳۰ء) حاصل کی۔ بیرون ملک سفر ۱۹۳۱ء میں کیا۔ ۱۹۳۳ء میں ڈی۔ فل کی ڈگری یون (جرمنی) سے اور ڈی۔ لٹ کی سند سوربون (فرانس) سے ۱۹۳۵ء میں حاصل کی اور اسی سال حیدرآباد دکن آ کر بحیثیت استاد جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہو گئے (اس وقت ان کی عمر ۲۷، ۲۸ سال تھی)۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: طارق مجاہد (مرتب)، ”شخصیت-خاکہ“، ماہنامہ فکر و نظر - ڈاکٹر محمد حمید اللہ-خصوصی اشاعت (اسلام آباد)، جلد ۴۰، ۴۱، شمارہ ۱۴ (۲۰۰۳ء)، ص ۱۳-۱۶۔

(۲) یہ کتاب (عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی) ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے گیارہ متفرق مقالات کا مجموعہ ہے جو اگرچہ مختلف اوقات میں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے تاہم اس کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں سب سے زیادہ طولانی ”شہری مملکت مکہ“ (ص ۱۳-۷۵) ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ سب سے مختصر ”تالیف قلبی“ ہے جو صرف سات صفحات پر (ص ۲۷۵-۲۸۲) پھیلا ہوا ہے۔ بہ اعتبار زمانی سب سے قدیم مضمون ”اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں“ ہے جو ۳۶ صفحات پر (ص ۱۵۲-۱۹۸) مشتمل ہے اور جو مجلہ تحقیقات علمیہ (جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن) ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ جبکہ سب سے آخر میں شائع ہونے والا مضمون بھی اس کتاب میں شامل ہے جو ”جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر“ کے عنوان سے، مجموعہ مقالات دکن کی ۱۹۳۳ء میں زینت بنا (دیکھیے: اصل کتاب-عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، مکتبہ ابراہیمیہ، دکن طبع دوم، ص ۲۳۹-۲۵۳)۔ اس کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن مکتبہ جامعہ، دہلی سے بالترتیب ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۶ء میں نکلا جبکہ دو اشاعتیں مکتبہ ابراہیمیہ دکن سے ہوئیں۔ پاکستان میں اردو ایڈیٹیو سنڈھ کراچی نے ۱۹۸۱ء میں اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع کیے۔

(۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اپنے بیان کے مطابق انکا پہلا مضمون ۸ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہفت روزہ نونہال (لاہور) میں ”مدراں کی سیر“ کے عنوان سے شائع ہوا (دیکھیے: ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمید اللہ نمبر، ص ۲۰۸، حاشیہ نمبر ۷، بحوالہ محمد صلاح الدین، ”مدیر تکبیر کا ڈاکٹر صاحب سے دورہ فرانس میں انٹرویو“، ہفت روزہ تکبیر ۶ فروری ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۔ علاوہ ازیں عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی سے قبل ان کی کم از کم چار (۴) کتابیں: ۱- رومی اور اسلامی ادارہ غلامی، ۲- عہد نبوی کا نظامِ تعلیم: ۳-

عربی حبشی تعلقات؛ اور ۴۔ الوثائق السياسية کے نام سے شائع ہو چکی تھیں اور ان پر معارف (اعظم گڑھ) میں بالترتیب جون ۱۹۳۱ء، اکتوبر ۱۹۳۲ء اور جنوری ۱۹۳۳ء میں تعارف و تبصرہ اشاعت پذیر ہو چکا تھا۔ جبکہ آٹھ مقالات بھی ۱۔ یورپی الفاظ و اعلام کا اردو املا؛ ۲۔ آنحضرت کا خط قیصرِ روم کے نام؛ ۳۔ عربوں کی جہازرانی پر استدرارک؛ ۵۔ عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم؛ ۶۔ قرآنی تصورِ مملکت؛ ۷۔ عہدِ نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات اور؛ ۸۔ تقویمِ جلالی اسلامی شمسی کیلنڈر کے عنوانات سے بالترتیب اگست ۱۹۳۱ء، جون ۱۹۳۵ء، مئی۔ جون ۱۹۳۶ء، نومبر ۱۹۳۱ء، دسمبر ۱۹۳۱ء، جولائی ۱۹۳۲ء اور دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہونے والے معارف (اعظم گڑھ) کے شماروں کی زینت بنے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حافظ محمد سجاد، ”ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ“، فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمید اللہ نمبر، ص ۳۷۴-۳۱۰۔

۳-ب) حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۵۔

۴) ڈاکٹر خالد علوی، ”ڈاکٹر حمید اللہ کی خدماتِ سیرت“، فکر و نظر (اسلام آباد)، ڈاکٹر حمید اللہ نمبر، ص ۱۳۴۔

۵) حافظ محمد سجاد، ”ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ“، ص ۷۹-۳۷۸۔

۶) ایضاً، ص ۳۷۹۔

۶-ب) حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۸-۹۔

۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی کے (مقالہ نمبر ۴) قرآنی تصورِ مملکت کے (تحت لکھے ہیں: ”جزیرہ“، عربِ اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہیں ہو سکا تھا اور یہ ایک انوکھا اور عجیب و غریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد صلعم کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کر لیا۔ جس ملک میں نزاع کا دور دورہ ہو وہاں دس ہی سال کی کوشش میں ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم صلعم کا عظیم الشان کارنامہ تھا“ (دیکھیے: ص ۱۱۲)۔

۸) مقالہ نمبر ۷ ”جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکتِ اسلامیہ کے قیام پر“ کی تمہید میں ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں: ”عہدِ نبویؐ میں جو پہلی اسلامی مملکت قائم ہوئی اس کے بیسیوں اسباب تھے اخلاقی بھی سماجی بھی سیاسی بھی معاشی بھی اور ظاہری طور پر اس تحریک کی کامیابی میں جہاں سرور کائنات پیغمبر اسلام کی قابلیتوں اور کوششوں کو دخل تھا وہیں ان آلوں اور ہتھیاروں میں بھی صلاحیت کی ضرورت تھی جن سے رسول کریمؐ کو کام لینا تھا“، (دیکھیے: ص ۲۲۹)۔

۹) دیکھیے: مقالہ نمبر ۲ ”شہری مملکتِ مدینہ“، ص ۱۳ و مابعد، نیز دیکھیے: ص ۲۳۶، ۲۵۹۔

۱۰) حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۲۹۔

۱۱) ایضاً، ص ۱۵۔

۱۲) ایضاً، ص ۲۲۹ و مابعد، نیز دیکھیے: ص ۲۴۳۔

۱۳) ایضاً، ص ۸۴۔

۱۳-ب) حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۷۶-۷۷۔

۱۴) ایضاً، ص ۸۲-۸۳۔ تفصیلی بحث مع متن دستور کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ نمبر ۳ (ص ۷۶-۱۱۱)۔

۱۵) ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء،

- ج، ۱، ص ۱۹۸۔
- (۱۶) مولانا شبلی، سیرۃ النبی، لاہور دینی کتب خانہ، لاہور: ۱۹۷۵ء، ج، ۱، ص ۲۸۲-۲۸۴۔
- (۱۷) قاضی محمد سلیمان، منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۳ء، ج، ۱، ص ۱۲۸۔
- (۱۸) ایضاً، ص ۱۲۸-۱۲۹۔
- (۱۹) ایضاً، ص ۱۳۰۔
- (۲۰) پروفیسر سید نواب علی، سیرت رسول اللہ، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۶۶ء (اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا)۔ پروفیسر صاحب نے یہود پر مفصل بحث کی ہے (ص ۱۶۰-۱۷۳) لیکن دستورِ مدینہ/ بیثاقِ مدینہ/ منشورِ مدینہ یا کسی صحیفہ، معاہدہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔
- (۲۱) مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصحُ النبیر فی ہدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی: نور محمد اصح المطابع (ت - ن)، ص ۱۱۱۔
- (۲۲) حمید اللہ، عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۵۴-۲۷۴۔
- (۲۳) ایضاً، ص ۲۶۱۔
- (۲۴) ایضاً، ص ۲۵۵۔
- (۲۵) ایضاً، ص ۲۷۵۔
- (۲۶) ایضاً، ص ۲۷۸-۲۸۲۔
- (۲۷) دیکھیے: ایضاً، ص ۲۸۳-۳۰۲۔
- (۲۸) ایضاً، ص ۲۸۴۔
- (۲۹) ایضاً، ص ۲۸۶۔
- ۲۹-ب) ایضاً، ص ۲۸۹۔
- (۳۰) ایضاً، ص ۲۹۰۔
- (۳۱) ایضاً، ص ۲۹۱۔
- (۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً، ص ۳۰۳-۳۲۰ (اختتامِ کتاب)۔
- ۳۲-ب) ایضاً، ص ۳۰۴۔
- ۳۲-ج) ایضاً، ص ۳۰۴۔
- ۳۲-د) ایضاً، ص ۳۰۵۔
- (۳۳) ایضاً، ص ۱۵۲-۹۸۔
- (۳۴) ایضاً، ص ۱۶۳۔
- ۳۴-ب) ایضاً، ص ۱۶۶۔
- ۳۴-ج) ایضاً، ص ۱۶۷۔
- (۳۵) ایضاً، ص ۱۹۹-۲۲۸۔ ڈاکٹر صاحب ایک جگہ رقمطراز ہیں: ”ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ عہد نبوی کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے

اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی“ (ص ۲۲۳-۲۲۵)۔

(۳۶) ماہنامہ فکر و نظر (ڈاکٹر حمید اللہ نمبر)، ص ۱۲۳۔

(۳۷) ”عہد نبوی کے میدان جنگ“ سب سے پہلے ۱۳۵۹ھ میں مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ

میں ایک طویل مضمون کی حیثیت سے شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ کاپیاں الگ بھی چھاپی

گئیں۔ آج سے ستر (۷۰) سال پہلے سعودی عرب کے ان علاقوں کا سفر جبکہ جدید زمانہ کی سہولیات بھی

حاصل نہیں تھیں انتہائی دشوار گزار تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جذب و

شوق کے کن سخت امتحانوں سے گزر کر وہ مراحل طے کیے ہوں گے۔ بہر حال عہد نبوی میں نظام

حکمرانی کے طبع ثانی کے وقت (۱۹۴۹ء) تک عہد نبوی کے میدان جنگ، کئی بار چھپ چکی تھی۔

(۳۸) ڈاکٹر صاحب کے اسفار علمی کا سلسلہ عہد حاضر میں بھی جاری رہا۔ ایک سفر جو خالص علمی نوعیت کا تھا ڈاکٹر

صاحب کے عشق رسول کا عجز بھی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر صاحب سعودی حکومت کی دعوت پر وہاں سعودی

عرب آئے اور ظہران کی پیٹرولیم یونیورسٹی اور دوسرے اداروں میں لیکچر دینے کے علاوہ قطف بھی گئے۔

قطف کے سفر کا مقصد ایک چھوٹی بستی ”زارہ“ کا دورہ تھا جو قطف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اور

مشہور گاؤں عوامیہ سے ملتی تھی۔ یہ بستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بخت سے پہلے کے ایک تجارتی سفر

کی یادگار تھی۔ چنانچہ آنحضورؐ کے ”زارہ“ کے چشمہ کے پاس ہی ایک مسجد عثمانی ترکوں نے تعمیر کر دی ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق

حدیث (۱۷۱۶) میں آیا ہے۔ چشمے کے پاس ہی ایک مسجد عثمانی ترکوں نے تعمیر کر دی ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق

انصاری صاحب (ڈاکٹر میگزین) ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کو اس سفر

میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی معیت کا شرف حاصل ہوا (دیکھیے: ظفر اسحاق، انصاری ”ڈاکٹر محمد حمید اللہ:

مشاہدات و تاثرات“، فکر و نظر (ڈاکٹر حمید اللہ نمبر)، ص ۲۵-۲۶۔ جن صاحب سے انہوں نے مساحت

اور نقشہ کشی کے اصول و مبادی سیکھے اور اسفار علمی میں نقشے اتارنے کا جنہوں نے مشورہ دیا تھا وہ اسکاؤٹ

ماسٹر مولوی موسیٰ رضا مہاجر تھے (ایضاً، ص ۴۰۸)۔

(۳۹) یہ نقشے ناپ تول، بیانہ پیمائش اور فنی و تکنیکی اعتبار سے جدید دور کے معیار کے تو نہیں ہیں لیکن جس زمانہ

میں پیش کیے گئے اس لحاظ سے درست، معیاری اور بہترین تھے۔

(۴۰) حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۴۶-۴۷۔ حوالوں کو تو سین میں درج کر دیا گیا ہے۔

(۴۱) ایضاً، ص ۹۸-۹۹۔

(۴۲) ایضاً، ص ۸۳-۸۴۔

(۴۳) ملاحظہ ہو: ایضاً، ”پیش لفظ“، ص ۳۔

(۴۴) ایضاً۔

(۴۵) دیکھیے: ”پیش لفظ“، طبع ثانی (مکتبہ ابراہیمیہ)، ص ۱۔

(۴۶) ایضاً، ص ۲۔

(۴۷) ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمود احمد، غازی، ”ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت نگاری: چند پہلو“۔ شمشاہی السیرۃ عالمی

(کراچی)، شماره بابت ۱۰ رمضان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص ۳۲۵۔

(۴۸) ایضاً، ص ۳۲۶۔ علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمات“ کے ضمن میں غازی صاحب ان کی ۱۶۵ سے

زائد کتب اور تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد، غازی، ”علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمات: عمومی جائزہ“، فکر و نظر (ڈاکٹر حمید اللہ نمبر)، ص ۸۱۔ فکر و نظر کی اسی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب کے مطبوعات و مقالات کی جو فہرست (ص ۵۹۵-۶۱۳) دی گئی ہے، اور جو یقیناً مکمل نہیں ہے، اس کے مطابق کتاب اور کتابچوں کی کل تعداد (۵۸) دکھائی گئی ہے، جبکہ کل مقالات ۲۱۷ مذکور ہیں۔

(۳۹) فرانسیسی میں سیرت میں ڈاکٹر صاحب کی اس شاہکار تصنیف کو عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کا ہی حکملہ اور اُس کے افق کا ماہِ تمام کہہ دیا جائے تو خلافِ حقیقت نہ ہوگا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب موصوفِ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی کے طبعِ ثالث کے پیش لفظ میں خود یہ فرما رہے ہیں کہ: ”ناظرین سے یہ عرض کروں کہ اس اثناء ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں، میں نے فرانسیسی میں سیرۃِ نبویہ پر دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کی جلد دوم ایک معنی میں زیرِ نظر اردو تالیف ہی کا نیا ایڈیشن تھا..... اس میں وہ ابواب بھی آچکے ہیں جن کا موجودہ اردو کتاب کے ”پیش لفظِ طبعِ ثانی“ میں تجویز اور تمنا کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً نظامِ مالیہ، نظامِ عسکر یہ وغیرہ“ (ص ۸)۔

(۵۰) غازی، ”علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمات“، ص ۸۷۔

(۵۱) ایضاً

(۵۲) شبلی، سیرۃ النبی، ج ۱ (مقدمہ)۔

(۵۳) حافظ محمد سجاد ”ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ماہنامہ معارف“، (فکر و نظر۔ ڈاکٹر حمید اللہ نمبر)، ص ۲۸۰۔

(۵۴) ایضاً، ص ۳۸۰-۳۸۱۔

(۵۵) دیکھیے: حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۱۳۔

(۵۶) ایضاً، ص ۱۳-۱۴۔

(۵۷) ایضاً، ص ۱۹۹۔

(۵۸) ایضاً، ص ۱۹۹-۲۰۰۔

